قندِ مکرر

ع بیا یہ مجلس اقبالؔ و یک دو ساغر کش!

فکرِ اقبالؔ

کی روشنی میں

حالاتِ حاضرہ

اور

ہماری قومی ذمّہ داریاں

خطاب بہ مجلسِ اقبالؔ

الحمرا آڈیٹوریم ——— ۲۱ اپریل ۸۶ء

از

اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

© rasailojaraid.com

احمدہٗ واصلّی علیٰ رسُولہٖ الکریم

امّابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربّ اشرح لی صدری ○ ویسّرلی امری ○ واحلل عقدۃ من لسانی ○

یفقھوا قولی ○

محترم ومکرّم صدرِ مجلس !

محترم اراکین وکارکنان مرکزیہ مجلسِ اقبالؔ لاہور،

اور معزّز خواتین وحضرات !

اگرچہ اس سے قبل بھی متعدد بار ع "بیا بہ مجلسِ اقبالؔ و یک دو ساغر کش" کے مصداق مجلسِ اقبالؔ میں شرکت وشمولیّت کی سعادت حاصل ہوچکی ہے لیکن اس بار جس انداز میں اس بندۂ ناچیز کا اعزاز واکرام فرمایا گیا ہے اُس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے مناسب الفاظ واقعۃً میرے پاس موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا مجبوراً ملک نصراللہ خاں عزیزؔ مرحوم کے الفاظ مستعار لے رہا ہوں کہ ع "اِک بندۂ عاصی کی ——— اور اتنی مداراتیں ——!"

مجھے آج صبح ہی کی فلائٹ سے 'شامِ الہدیٰ' کے مستقل پروگرام کے لیے کراچی روانہ ہوجانا تھا لیکن مجلسِ اقبالؔ میں شرکت کی سعادت کے لیے یہ ادنیٰ سا ترّدد تو ہرگز کوئی قربانی نہیں کہ یہاں سے سیدھا ایئرپورٹ اور ایئرپورٹ سے سیدھا تاج محل ہوٹل کراچی پہنچوں ——— البتّہ منتظمین مجلس کا یہ احسان عمر بھر یاد رہے گا کہ انہوں نے خاص طور

.com

پر میری شمولیّت کے لیے مجلس کا آغاز اپنے طے شدہ پروگرام سے ایک گھنٹہ پہلے کیا ــــ اس کے ساتھ ہی اپنی اس محرومی کا احساس بھی شدّت سے ہے کہ آج سے ڈیڑھ سال قبل کی ایک مجلس کی طرح آج بھی مجھے اپنی گفتگو ختم کرتے ہی آدابِ مجلس کے خلاف فوراً روانہ ہو جانا ہو گا اور اس طرح میں اپنے سے بدرجہا اعلم و افضل اصحابِ علم و فضل کے افکار و خیالات سے مستفید نہ ہو سکوں گا۔ بہرحال " مالا یُدرکُ کلّہٗ لایُترکُ کلّہٗ " کے مصداق جو میسّر آگیا ہے غنیمت ہے!

بہت سے حضرات یقیناً اس پر حیران ہوں گے کہ، میں اپنی روایت کے یکسر خلاف، آج اپنے خیالات تحریری صورت میں پیش کر رہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام معمول سے ہٹ کر اس بار 'مجلس اقبال' کے لیے بھی ایک موضوع تجویز کر دیا گیا ہے یعنی "فکرِ اقبال کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ اور ہماری قومی ذمّہ داریاں" اور یہ موضوع اوّلاً تو خطیبانہ جوش سے زیادہ سنجیدہ غور و فکر کا متقاضی ہے ــــ ثانیاً اس کا اندیشہ ہے کہ زبانی گفتگو کی رواروی میں اس کا کوئی اہم گوشہ تشنہ رہ جائے! ــــ پھر ایک خواہش یہ بھی ہے کہ یہ باتیں جلد از جلد وسیع پیمانے پر لوگوں کے سامنے لائی جائیں اور من وعن شائع ہوں لہٰذا " نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ " کے مطابق ذہن و لسان کے مابین قلم کو خیالات کی شیرازہ بندی کے ذریعے کے طور پر استعمال کر رہا ہوں۔

عنوان میں اختیار کردہ ترتیب سے ذرا سا ہٹ کر میں پہلے "حالاتِ حاضرہ" کے ضمن میں اپنا مشاہدہ اور تجزیہ پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں:

آج ہر شخص یہ محسوس کر رہا ہے کہ ہم نے معمارِ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم کے اس اندیشے کے عین مطابق جو اُن کے اس تاریخی جملے میں سامنے آتا ہے کہ:۔

© rasailojaraid.com

"God has given us a golden opportunity to prove our worth as architects of a new nation and let it not be said that we did'nt prove equal to the task".

اپنی نا اہلی اور عدم قابلیّت کا بھرپور ثبوت دیتے ہوئے اُن کے قائم کردہ پاکستان کو توآج سے لگ بھگ ساڑھے چودہ سال قبل دو لخت کرا لیا تھا ـــــ اب اندیشہ یہ ہے کہ مفکرِ مصوّرِ پاکستان علاّمہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں جس پاکستان کا خواب

"An independent Muslim State at least in the North-West of India".

کی صُورت میں دیکھا تھا کہیں ہم اُسے بھی اپنی نا اہلیوں کی بھینٹ نہ چڑھا دیں! اور اس طرح برّصغیر پاک و ہند کی مسلم قوم کی نصف صدی سے زائد عرصہ پر پھیلی ہوئی مساعی حبطِ اعمال کے حسرتناک انجام سے دوچار نہ ہو جائیں! ـــــ اس لیے کہ ایک طرف ع "خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری!" کے مصداق تا حال 'بے آئینی' ہی سرزمین پاکستان کا 'آئین' ہے گویا قمری حساب سے اپنی قومی زندگی کے چالیس سال پُورے کر چکنے کے باوجود (واضح رہے کہ آنے والے ماہِ رمضان مبارک کی ستائیسویں کو یہ چالیس سال پُورے ہو جائیں گے!) ہم ؎

"چہل سال عمرِ عزیزت گذشت　　مزاجِ تو از حالِ طفلی نہ گشت"

کے مصداق سیاسی و دستوری اعتبار سے ہنوز 'نابالغ' ہیں! ـــــ تو دوسری طرف ـــــ صاف نظر آتا ہے کہ ع "آہ! وہ تیرِ نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف" ـــــ اور ؎

"چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہرو کے ساتھ　　پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں!"

کے مصداق اس قافلۂ ملّی کی کوئی منزل معیّن ہے ہی نہیں! اور یہ "ہجومِ مومنیں" "بے مقصدیت" کے صحرائے تیہہ میں بالکل اس شان سے بھٹک رہا ہے کہ ؎

کس طرف جاؤں کدھر دیکھوں کسے آواز دوں　　اے ہجومِ نا اُمیدی دل بہت گھبراتے ہے!

چنانچہ اغیار طعنے دے رہے ہیں اور پھبتیاں چُست کر رہے ہیں، مبصّرین اور تجزیہ نگار انتشار (DISINTEGRATION) اور حصّے بخرے ہو جانے

(BALKANISATION) کی پیشین گوئیاں کر رہے ہیں اور دشمن گھات میں ہیں کہ کب آخری ضرب لگانے کا بہترین موقع ہاتھ آئے اور ع "خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود" کے مصداق عصرِ حاضر کی تاریخ کا ایک درخشاں باب ختم کر دیا جائے۔!

گویا، نظر بظاہر، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ؎

اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نوں

پاکستان کی فضا پر متذکرہ بالا عمومی تشویش اور بددلی و مایوسی کے جو بادل چھائے ہوئے ہیں ان کے درمیان سے جھانک کر واقعات کی دنیا میں "حالاتِ حاضرہ" کے داخلی اور خارجی پہلوؤں کا مشاہدہ کیا جائے تو صورتِ حال کچھ یوں نظر آتی ہے کہ:

ایک جانب سیاچین گلیشئر ہمارے ہاتھ سے جا چکا ہے، اور کشمیر کی کنٹرول لائن آئے دن کی بھارتی جارحیّت سے خون آلود ہوتی رہتی ہے۔ پھر کشمیر کے علاوہ ہماری حسّاس ترین سرحد سے ملحق بھارتی پنجاب شدید خلفشار اور عدم استحکام کا شکار ہے اور اس کے ضمن میں کوئی دن نہیں جاتا جب بھارتی زُعماء میں سے کوئی نہ کوئی ہمیں موردِ الزام نہ ٹھہراتا ہو۔ نتیجۃً پاکستان سے بھارت کی پیدائشی دشمنی اور مستقل نفسیاتی اور واقعاتی آویزش پر مستزاد یہ فوری اور شدید اندیشہ سر پر منڈلا رہا ہے کہ کسی بھی وقت اپنے اندرونی خلفشار کے باعث جھنجھلا کر بھارت کسی بڑی جارحیّت کا ارتکاب نہ کر گذرے!

دوسری جانب افغانستان کی صورتِ حال اور اس کے داخلی نظریاتی تصادم پر مستزاد رُوس کی ننگی اور براہِ راست مداخلت اور امریکہ کی قدرے ڈھکی چھپی اور بالواسطہ دخل اندازی نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کے لیے شدید مسائل اور خطرات پیدا کر رکھے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان، افغانستان اور رُوسی ترکستان کے پُورے علاقے کی قسمت کو گویا ایک معلّق ترازو سے وابستہ کر دیا ہے۔ چنانچہ جہاں اس کی بھی اُمید ہے کہ ایک مردِ درویش کے لگ بھگ

© rasailojaraid.com

پوَن صدی قبل کے الفاظ کہ ؎

اِک ولولۂ تازہ دیا میں نے دِلوں کو لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند!

حقیقت و واقعیت کا رُوپ دھار لیں اور یہ خطّہ ایک وحدت کی صُورت اختیار کر کے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور عالمی غلبے کا نقطۂ آغاز بن جائے، وہاں یہ خطرہ بھی حقیقی اور واقعی ہے کہ سائبیریا کا برفانی ریچھ بحیرۂ عرب کے گرم پانی میں غوطہ لگانے کے لیے آخری دَوڑ کا آغاز کر دے اور بُخاکم بدہن، پاکستان بھی اُس کی عریاں جارحیت کا نشانہ بن جائے!

داخلی محاذ پر ——— پاکستان کی ماں اور معمارِ پاکستان اور مصوّر و مفکرِ پاکستان دونوں کی مشترک وراثت مسلم لیگ جوان دونوں کے منظرِ عام پر آنے سے قبل واقعتہً صرف نوابوں اور نواب زادوں، اور وڈیروں اور جاگیرداروں کی جماعت تھی البتّہ ۳۵ء اور ۴۷ء کے درمیان ایک عوامی تحریک کی صُورت اختیار کر گئی تھی عرصہ ہوا کہ ع "ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے!" کی مصداقِ کامل بن چکی ہے۔ اور حال ہی میں سرکاری و درباری ذرائع سے اُس کے تنِ مردہ میں جان ڈالنے کی جو کوشش ہوئی ہے اور غیر جماعتی انتخابات میں اپنے ذاتی وسائل اور محض زمینداری یا سرمایہ داری کے بل پر کامیاب ہونے والوں کی پیشانی پر اس کا لیبل چسپاں کر کے اس کے نام سے فائدہ اٹھانے کی جو کوشش کی گئی ہے کون نہیں جانتا کہ اُس کا حاصل کچھ نہیں اور کم ازکم عوام کی سطح پر اُس کی نہ کوئی حقیقت ہے نہ حیثیّت۔

اس طرح بُظاہر موجود لیکن حقیقتاً کالعدم مسلم لیگ، سے قطعِ نظر ——— قومی سیاست کے میدان میں انتہائی بائیں جانب ہیں وہ اشخاص اور گروہ جن کی پاکستان کو توڑ دینے کی خواہش اب ڈھکی چھُپی نہیں رہی بلکہ ببانگِ دہل سامنے آچکی ہے۔ ان میں شخصیات کی سطح پر تو اہم نام صرف خان عبدالغفار خاں اور جی ایم سیّد کے ہیں البتّہ چھوٹی بڑی جماعتیں یا گروہ نصف درجن بلکہ اس سے بھی زائد ہیں جن میں اہم تر نام این ڈی پی، پی این پی، اور سندھی بلوچی پختون متحدہ محاذ کے ہیں! ——— تاہم غنیمت ہے کہ ابھی ان سب کا دائرۂ اثر

.com

صرف چھوٹے صوبوں تک محدود ہے اور پنجاب کی حد تک اس کی صرف ایک خفیف سی صدائے بازگشت جناب حنیف رامے کی صورت میں سامنے آئی ہے!

دوسری انتہا پر ہیں بعض نیم مذہبی اور نیم سیاسی جماعتیں، جن کی اکثریت واضح طور پر دائیں بازو سے تعلّق رکھتی ہے۔ ان میں بھی قابلِ ذکر تو تین ہی ہیں یعنی جے یو آئی، جے یو پی اور جماعتِ اسلامی تاہم دوسری نسبتاً چھوٹی جماعتوں اور بڑی جماعتوں کے متحارب دھڑوں کو بھی شمار کیا جائے تو تقریباً وہی بائیں بازو والی تعداد بن جاتی ہے ——— یہ جماعتیں اگرچہ پاکستان کے بقا و استحکام کی بھی دل سے خواہش مند ہیں اور اس میں اسلام کے نفاذ کی بھی داعی ہیں لیکن اوّلاً اس بنا پر کہ ان کا دائرۂ اثر بہت محدود بھی ہے اور ملک کے طول و عرض میں مختصر ٹکڑوں (SMALL POCKETS) کی صورت میں منتشر بھی، اور ثانیاً اس بنا پر کہ پاکستان اور اسلام دونوں کی محبّت اور وفاداری کی عظیم قدرِ مشترک کے باوجود اُن کی باہمی آویزش بلکہ چپقلش ضربُ المثل کی صورت اختیار کر گئی ہے، وہ کوئی فیصلہ کُن کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں نظر نہیں آتیں!

ان دو انتہاؤں کے مابین واقعہ یہ ہے کہ قومی اور عوامی سیاست کا اصل دھارا سیکولر ڈیماکریسی یا سوشل ڈیماکریسی کے رُخ پر بہہ رہا ہے جس میں یُوں تو جماعتی اور تنظیمی سطح پر دو نام سامنے آتے ہیں یعنی ایک پاکستان پیپلز پارٹی کا اور دوسرا تحریکِ استقلال کا ——— لیکن بنظرِ غائر دیکھا جاتے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ عظیم دھارا اصلاً کچھ چھوٹی اور بڑی، اور نئی اور پُرانی شخصیّتوں اور ان کے مدّاحوں اور حامیوں، اور عاشقوں اور جان نثاروں پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی سر توڑ کوششوں میں مصروف ہیں اور سرِ دست یہ کہنا مشکل ہے کہ اس عظیم لہر پر سواری کی سعادت کس کے حصّے میں آتی ہے ——— گویا

دیکھیے! اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا!

اسی درمیانی دھارے میں ایک طوفانی لہر حال ہی میں آنسہ بے نظیر بھٹو کی اپنی اختیاری جلاوطنی کو ختم کر کے پاکستان واپسی ——— اور شہرِ اقبال لاہور میں ورود ———

© rasailojaraid.com

اور اس موقع پر ان کے بے مثال اور حد درجہ والہانہ استقبال، اور پھر پاکستان کے دل پنجاب، اور اس کے بھی اصل قلب یعنی لاہور، گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور فیصل آباد وغیرہ کے اضلاع میں اُن کے شاندار اور والہانہ خیر مقدم اور عظیم الشان جلسوں اور جلوسوں کی صورت میں اُٹھی ہے جس نے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے کسی بھی درجہ میں بہرہ ور ہر پاکستانی مسلمان کو نہ صرف یہ کہ ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے بلکہ ملک و ملّت کے مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور غالباً یہ بھی اسی کا شاخسانہ ہے کہ مجلس اقبال، بھی جو ایک خالص روایتی اور ثقافتی ادارہ بن چکی تھی "فکرِ اقبال کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ اور ہماری قومی ذمّہ داریوں" کا جائزہ لینے پر مجبور ہو گئی ہے۔

ہماری قومی اور عوامی سیاست کے اصل اور عظیم تر درمیانی دھارے میں جو طوفانی لہر حال ہی میں اُٹھی ہے اُس کے ضمن میں یہ بات بھی بالکل غلط نہیں ہے کہ یہ کسی حد تک آٹھ نو سال کے سیاسی حبس کا ردِّ عمل ہے اور اس بات میں بھی یقیناً کچھ نہ کچھ صداقت موجود ہے کہ حالیہ طوفانی کیفیت زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکتی، گویا ع "چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی!"۔۔۔ لیکن اس قسم کے جملہ عوامل کا حصّہ منہا کرنے کے بعد بھی اس کیفیت (PHENOMENON) کی اہمیّت ہرگز کم نہیں ہوتی اور اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے کہ اس کے اصل عوامل کیا ہیں، اجزائے ترکیبی کیا ہیں اور اس کے ضمن میں ملک و ملّت کے مخلصوں اور بہی خواہوں کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے ۔۔۔۔۔ اس لیے کہ جہاں یہ اندیشہ موجود ہے کہ اس طوفانی لہر کے جوش کو ٹھنڈا پڑتے دیکھ کر اس پر سوار قائدین بے قابو ہو جائیں اور جھنجلاہٹ میں کوئی غلط اقدام کر بیٹھیں، وہاں اس کے سرکاری یا غیر سرکاری مخالفین کا غلط طرزِ عمل اور MIS-HANDLING بھی نہایت خوفناک نتائج پیدا کر سکتی ہے ۔ جس کا ایک تجربہ ہم پندرہ سال قبل مشرقی پاکستان کے معاملے میں کر چکے ہیں!

d.com

میں جب علامّہ اقبال کے فکر کی روشنی میں عوامی سیاست کے اس درمیانی دھارے اور اس کی موجودہ طوفانی لہر کا جائزہ لیتا ہوں تو مجھے بعینہٖ وہی صورت نظر آتی ہے جو حضرتِ علامّہ نے اُس تہذیبِ حاضر کے تجزیے کے ضمن میں پیش فرمائی ہے جو اپنے آغاز کے اعتبار سے تو یقیناً مغربی اور یورپی تھی لیکن اپنے اثر و نفوذ کے اعتبار سے دیکھتے ہی دیکھتے عالمی اور آفاقی بن گئی تھی اور اس وقت پُورے کرۂ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے ـــــ اور جس کی خودکشی کی خبر بھی علامّہ مرحوم نے اب سے لگ بھگ پَون صدی قبل دی تھی کہ ؎

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے — کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی — جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ حضرت علامّہ کے نزدیک اس تہذیب کے اصل اجزائے ترکیبی دو ہیں: ایک[1] اس کی اصل ریڑھ کی ہڈی ہے جس کی صلابت اس کے قیام و بقا کی اصل اساس ہے 'خطبات' میں حضرت علامّہ نے اسے 'INNER CORE' سے تعبیر فرمایا ہے ـــ اور اسے خالص قرآنی الاصل گویا صد فی صد اسلامی قرار دیا ہے۔ یعنی الفاظِ قرآنی: "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝" (بنی اسرائیل: ۳۶) کے مطابق یہ طرز اور روش کہ اپنے موقف کی بنیاد نہ توہّمات پر قائم کی جائے نہ نرے ہوائی تخیّلات پر بلکہ مشاہدات و تجربات اور ان پر مبنی ٹھوس استدلال پر قائم کی جائے۔ حضرتِ علامّہ کی یہ رائے نہایت صائب اور حد درجہ اہم ہے اس لیے کہ واقعہ یہی ہے کہ یہی قرآنی ہدایت و رہنمائی تھی جس نے ایک جانب مظاہرِ قدرت کو آیاتِ الٰہیہ کا تقدس عطا فرمایا[1] اور انسان کو کتابِ فطرت کے سائنٹیفک مطالعے اور مشاہدے کی جانب متوجہ کیا[2] اور دوسری جانب منطق کو استخراج کی تنگنائیوں سے نکال کر

---

[1] سُورۃ البقرۃ: آیت ۱۶۴ [2] سورۃ الغاشیہ آیات: ۱۷ تا ۲۰

© rasailojaraid.com

استقرا کی وسعتوں اور پہنائیوں سے روشناس کرایا ——— اور اس طرح جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے لیے میدان ہموار کیا۔ چنانچہ یہی چیز یورپ میں تحریکِ احیاءِ علوم کی بنیاد بنی جس کے نتیجے میں یورپی اقوام اوجِ ثریا پر پہنچیں اور یہ صورت پیدا ہوئی کہ :۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں　　کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

حضرت علامہ کی یہ ژرف نگاہی بجائے خود جس عظمت کی مظہر ہے اُس سے قطع نظر میرے لیے اس کی قدر و قیمت کا ایک اضافی پہلو یہ ہے کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اہم قول کی عظمت و صداقت مبرہن ہوتی ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ "انّ اللہ یرفع بھذا الکتٰب اقواماً و یضع بہٖ اٰخرین۔" "اب اللہ تعالیٰ اسی کتاب (قرآن) کے ذریعے قوموں کو ابھارے گا اور اسی کے (ترک کرنے کے) باعث قوموں کو گرائے گا!" گویا مغربی تہذیب بھی جو اُبھری تو یقیناً قرآن ہی کی ہدایت و رہنمائی کے ایک اہم جزو کے سہارے اُبھری! اور مسلمان گرے تو اسی سبب سے گرے کہ انہوں نے قرآن کی اس ہدایت سے یورپ کو روشناس کرانے کے بعد خود اُسے ترک کر دیا گویا ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر　　اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اور　خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی　　شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شُدی

اے چوں شبنم بر زمیں افتندۂ　　در بغل داری کتابِ زندۂ

۱۔ تہذیبِ حاضر کا دوسرا جزو اُس کے کچھ خارجی مظاہر ہیں جنہیں خطبات میں تو حضرت علامہ نے صرف ایک لفظ 'DAZZLING EXTERIOR' سے تعبیر فرمایا ہے لیکن اشعارِ اقبال کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مظاہرِ خارجی کے بھی دو رُخ ہیں جنہیں کہیں تو حضرتِ علامہ "چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر" کے الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں، کہیں ان کی نشاندہی ع "طبِ مغرب کے مزے میٹھے اثر خواب آوری" جیسے الفاظ کے ذریعے کرتے ہیں ——— اور اس ضمن میں غالباً سب سے زیادہ بھرپور انداز یہ ہے کہ ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

تہذیبِ حاضر کے ان بظاہر حسین وخوشنما اور دل کش و مرعوب کُن مظاہر خارجی میں سے مثلاً ایک[۱] حرّیتِ فکر ہے جس کے پردے میں یا باضابطہ کفر و الحاد ہے یا لاادریت وارتیابیت' اوران دونوں کا حاصل ہے یا عریاں لامذہبیّت یا کم ازکم محدود مذہبیت کے پردے میں لپٹی ہوئی لادینیت! ——— گویا ؎

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ!

دوسرے[۲] حرّیتِ عمل ہے جس کی شکّر والی تہہ کے نیچے مضمر ہے اباحیت اورآوارگی کا زہر، جس نے اخلاق وکردار اور شرافت وانسانیت کا دیوالہ نکال دیا ہے، تیسرے[۳] نمبر پر ہے حرّیتِ نسواں اور نظریۂ مساواتِ مردوزن جس نے مرد کو 'نامرد' اور زن کو 'نازن' بناکر رکھ دیا اور دونوں کو تماشائی دھرجائی بناکر خاندان کے مقدّس ادارے کی چولیں ہلاکر رکھ دیں۔ نیتجہ یہ نکلا کہ ؎

فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

اور کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟ مرد بےکار و زن تہی آغوش!

اسی طرح ؎ "خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریّا می رود دیوار کج!"

کے مصداق اجتماعیاتِ انسانیہ کے ضمن میں تہذیبِ مغرب نے سیاسی ومعاشی مساوات کے حسین عنوانوں سے انسان کو اوّلاً لادینی جمہوریت (SECULAR DEMOCRACY) کا تحفہ دیا جو "چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر" کا مصداقِ کامل ہے۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے حقیقتاً سرمایہ داروں کی بدترین آمریت عوام پر مسلّط ہوگئی۔ ؎

دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!

اوراس کے بعد، اِس نہلے پر دہلا بے خدا اشتراکیت کا مارا جس نے انسان سے اُس کی آزادی کو کلّیتہً سلب کرکے اُسے ایک مشین کا پرزہ بنا کر رکھ دیا۔ فاعتبروا

© rasailojaraid.com

آگے بڑھنے سے قبل، اس مقام پر دو امور کی وضاحت مناسب ہے:

ایک یہ کہ تہذیبِ جدید کے اس المیے کا اصل سبب سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع کی روشنی میں ایک جملے میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس نے "عِلْمُ الْاَسْمَاء" پر تو پوری توجّہ صرف کی جو ابتدائے آفرینش ہی میں حضرت آدم کی سرشت میں ودیعت کر دیا گیا تھا اور جس نے تاریخ انسانی کے دوران مسلسل بروز و ظہور اور صعود و ارتقاء کے ذریعے 'علم الاشیاء' اور 'علم الخواص' کے راستے سے سائنس اور ٹیکنالوجی کی صورت اختیار کی —— لیکن اُس علمِ وحی سے یکسر منہ موڑ لیا جسے قرآن 'ہدایت' (فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ[1]) سے تعبیر کرتا ہے۔ نتیجۃً اُس نے اُس 'دجّال' کی صورت اختیار کر لی جس کی ایک آنکھ بند ہے اور جس کی پیشانی پر جلی حروف میں "ک ف ر" لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اب یہ یک چشم عفریت نوعِ انسانی ہی نہیں ہر قسم کی حیاتِ ارضی کی کلّی تباہی پر تُلا کھڑا ہے!

دوسرے یہ کہ عالمِ اسلام میں اس تہذیب کے ضمن میں یہ متوازن نقطۂ نظر میری محدود معلومات کی حد تک، سوائے علّامہ اقبال مرحوم کے اور کسی کے یہاں نظر نہیں آتا، اور اُن کے بعد اُن کی شمع سے اپنے چراغ روشن کرنے والوں میں بھی کم از کم اپنی محدود بصارت و بصیرت کی حد تک مجھے صرف ایک شخصیّت ایسی نظر آتی ہے جس کے فکر میں اس توازن کا عکس کامل موجود ہے اور وہ ہیں ڈاکٹر رفیع الدّین مرحُوم و مغفور! —— ورنہ اکثر و بیشتر افراد و اشخاص کی حد تک بھی یا حیرانی و سرگردانی نظر آتی ہے، یا انتہا پسندی اور یک رُخا پن! —— اور بحیثیّتِ مجموعی بھی ملّت کے دو اہم طبقات نے متضاد طرزِ عمل اختیار کیا۔ چنانچہ ایک طرف علماء کرام کی اکثریت نے اس تہذیب کو بالکلیہ رد کر دیا۔ نتیجۃً اس کے اُس INNER CORE سے بھی محرومی اختیار کر لی جو اصلاً خالص قرآنی اور اسلامی تھا۔ اور وہ صرف آسمانی ہدایت کے امین بن کر 'قال اللہ' اور 'قال الرسول ﷺ' کے حصار میں محصور ہو کر رہ گئے۔

[1] البقرۃ: ۳۸

.com

اور دوسری جانب قوم کی عظیم اکثریت نے تہذیبِ مغرب کو مِن وعَن قبول کر لیا نتیجتاً اس کے 'INNER CORE' کے ساتھ ساتھ اس کی "جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری" سے پیدا شدہ "صنّاعی" کو بھی ایک شکست خوردہ اور مرعوب ذہنیت کے ساتھ جُوں کا توں قبول کر لیا۔ نتیجہ وہ نکلا جسے کسی صاحبِ درد نے یوں بیان کیا کہ ؎

میں نے دیکھا ہے کہ فیشن میں اُلجھ کر اکثر
تم نے اسلاف کی عزّت کے کفن بیچ دیئے
نئی تہذیب کی بے رُوح بہاروں کے عوض
اپنی تہذیب کے شاداب چمن بیچ دیئے

اور اس ضمن میں بھی اللہ رحمتیں نازل فرمائے اپنے اُس بندۂ قلندر پر جس نے کمال انصاف کا ثبوت دیا جب ملّت کے ان دو اہم طبقات کے تضادِ عمل کو یُوں واضح کیا کہ ؎

کہا اقبالؔ نے شیخِ حرم سے
تہہ محرابِ مسجد سو گیا کون؟
ندا مسجد کی دیواروں سے آئی
فرنگی بتکدے میں کھو گیا کون؟

فکرِ اقبالؔ کی اس روشنی میں پاکستان کی عوامی سیاست کے بڑے اور درمیانی دھارے اور اُس کی حالیہ 'مہیب' لہر کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے بھی دو جزو سامنے آتے ہیں، چنانچہ اس کا بھی ایک 'INNER CORE' ہے جو نہ غیر اسلامی ہے نہ غیر قرآنی، اور نہ افکار و نظریاتِ اقبال کے منافی ہے، نہ تصوّراتِ قائدِ اعظم کی نقیض بلکہ عین قرآنی اور اسلامی بھی ہے اور پاکستان کے مصوّر و مفکّر اور مؤسّس و معمار دونوں کے خیالات کے مطابق بھی اور اسی میں اس دھارے کی مقبولیّت اور اس کی قوت و شوکت کا راز مضمر ہے۔ البتّہ دوسرا جزو جو بجائے خود نہایت اہم ہے بے خدا بھی ہے اور بے دین بھی اور خالص مُشرکانہ بھی ہے اور ملحدانہ بھی! اور یہ بات نہایت اہم اور لازمی ہے کہ ان دونوں اجزاء کو علیٰحدہ علیٰحدہ پہچان لیا جائے اور دونوں کے ساتھ ایک طرزِ عمل اختیار کرنے کی بجائے علیٰحدہ علیٰحدہ رویّہ اختیار کیا جائے!

اس دھارے کی لہر کے 'INNER CORE' کے اجزاءِ ترکیبی میں سے اوّلین

© rasailojaraid.com

جزو ہے۔ "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ . . . الآیہ" کے مطابق انسان کا محض انسان ہونے کے ناطے اعزاز و اکرام اور تشریف و تکریم، اور رنگ و نسل، مال و منال، اور عہدے، پیشے یا جنس کی بنیاد پر انسانوں کے مابین اعلیٰ و ادنیٰ، شریف و رذیل، اور اونچ اور نیچ کے جملہ امتیازات کا مکمل خاتمہ اور انسانوں کے مابین اس سماجی و معاشرتی سطح پر کامل مساوات! بفحوائے الفاظ قرآنی: "یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ" (الحجرات: ۱۳) اور بقول اقبال

کُلُّ مومنٍ اخوۃٌ، اندر دلش — حریت سرمایۂ آب و گلش

ناشکیبِ امتیازات آمدہ! — در نہادِ اُو مساوات آمدہ!

ان امتیازات کا کلی خاتمہ اور کامل انسانی مساوات کا بالفعل قیام رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طرۂ امتیاز ہے جس کے سامنے ایچ جی ویلز جیسے دشمنِ اسلام اور شاتمِ رسولؐ بھی اپنے آپ کو سر جھکانے پر مجبور پاتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہی وہ چیز ہے جو موجودہ نام نہاد مسلمان معاشرے میں ناپید ہو چکی ہے۔ اس ضمن میں علامہ اقبال نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ ؎ "یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو، تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!" ——— میں اُن کی رُوح سے معذرت کے ساتھ اس میں یہ اضافہ کروں گا کہ ع "تم سبھی کچھ ہو مگر سوچو کہ 'انسان' بھی ہو!"

اس 'INNER CORE' کا دوسرا اہم جزو ہے انسان کے بنیادی عمرانی حقوق (یعنی —— CIVIL RIGHTS) اور اُن کے ضمن میں کامل سیاسی و قانونی مساوات! جس سے "تمیزِ بندہ و آقا" کا مکمل خاتمہ ہو جائے اور نہ کوئی قوم کسی دوسری قوم پر حکمران ہو، نہ کوئی طبقہ دوسرے طبقے پر برتری کا حامل ہو اور نہ ہی کوئی علاقہ دوسرے علاقے پر بالادستی کا حق جتائے، بلکہ نوعِ انسانی "کونوا عباد اللّٰہِ اخوانًا" (الحدیث) پر عمل پیرا ہو جائے۔ (ترجمہ) تم سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ! ——— حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ اقدس اور جسمِ اطہر کو بھی قصاص کے لیے پیش فرما کر حضرت

عمرؓ نے بھرے مجمع میں احتساب پر برافروختہ نہ ہو کر بلکہ بالفعل جوابدہی فرما کر، اور حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں عدالت میں ایک عام مدّعی کی حیثیت سے پیش ہو کر اور اپنے دعوے کے اخراج پر کبیدہ خاطر نہ ہو کر جو اعلیٰ و روشن اور ابدی و لازوال مثالیں قائم کی تھیں وہ آج متفق علیہ اقدار کی حیثیت سے انسان کے اجتماعی ضمیر کا جزو لاینفک بن چکی ہیں اور عہدِ حاضر کا انسان ان کو ACHIEVE اور REALISE کرنے کے لیے علامہ اقبالؔ کے ان پُرشکوہ الفاظ کے مطابق ہاتھ پاؤں مار رہا ہے کہ

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو زانکہ از خاکش بروید آرزو!
یا ز نورِ مصطفےٰؐ او را بہاست یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰؐ است!

لیکن چونکہ وہ نُورِ نبوّت سے براہِ راست استفادہ کرنے پر آمادہ نہیں لہٰذا افراط و تفریط کے دھکّوں کے سوا اسے کچھ حاصل نہیں ہو رہا —— تاہم کون نہیں جانتا کہ آج ان اقدارِ عالیہ سے سب سے بڑھ کر محروم اور سب سے زیادہ تہی دست و تہی دامن وہ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں —— اور اِسی کا ردِّ عمل ہے جو ہماری سیاست کے موجودہ ابھار کی اساس بنا ہے!

اس 'INNER CORE' کا تیسرا لیکن اہم ترین جزو ہے معاشی عدل و انصاف اور کم از کم مواقع کی حد تک کامل مساوات اور ہر نوع کے اقتصادی استحصال اور 'سرمایہ داری' کی لعنت کا مکمّل خاتمہ اور ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت کا ذمّہ! —— یہ تمام باتیں وہ ہیں جو تمام جہانوں کے پروردگار نے اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرمائیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے حواریّین و خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے بالفعل کر کے دکھائیں چنانچہ "کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ" کے مطابق دولت کی منصفانہ تقسیم اسلام کے معاشی نظام کا اصل الاصول ہے اور "وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُھَا" کے مطابق حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ: اگر دجلہ و فرات کے کنارے کوئی کتّا

© rasailojaraid.com

بھی بھوکا مر جائے تو اس کے لیے اللہ کے یہاں عمرؓ ذمّہ دار ہوگا!" اسلام کے اقتصادی مقاصد کے ضمن میں POLICY STATEMENT کی حیثیّت رکھتا ہے جسے اقبالؔ نے یُوں تعبیر فرمایا کہ:

؎ کس نباشد در جہاں محتاج کس
نقطۂ شرعِ مبیں این است و بس

اور آب و نانِ ماست از یک مائدہ
دُودۂ آدم "کنفسٍ واحدہ"

لیکن افسوس کہ جب مسلمانوں کے دَورِ زوال میں اس پر ملوکیت کے ساتھ ساتھ جاگیرداری اور سرمایہ داری کی چھاپ پڑگئی تو اسلام اور قرآن کے رُخِ روشن کی یہ جہاں تابیاں نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں وہ صورت بن گئی جس کا نقشہ حضرت علاّمہ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ ؎

جانتا ہوں میں یہ اُمّت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں!

نتیجۃً —— قوم کی عظیم اکثریت تو اقبال کے اس شعر کا مصداقِ کامل بن ہی چکی ہے کہ ؎

ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجُو
"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا"

خود مذہبیت، کی بھی اکثر و بیشتر صرف یہ مسخ شدہ صورت (PERVERTED FORM) باقی رہ گئی ہے کہ ہر قسم کے حرام و حلال ذرائع سے دولت سمیٹو البتہ کچھ صدقہ و خیرات کے کھاتے بھی جاری رکھو۔ چنانچہ حکومت کی جانب سے سُود دے کر اُس میں سے زکوٰۃ وصول کر لینے کا تماشا تو حال ہی میں ہُوا ہے۔ 'سُود لو اور اُس میں سے زکوٰۃ دے دو'، پر تو ہمارے مذہبی مزاج کے سرمایہ دار بزرگ بہت پہلے سے عمل پیرا ہیں۔

اِس سلسلے میں نقد کے ضمن میں 'ربا النسیئہ' اور 'ربا الفضل' کی جو بے شمار صورتیں سرکاری و غیر سرکاری سطح پر ہماری پوری تجارت و صنعت اور ریاست کی سطح پر دفاع و ترقی کی جملہ سکیموں میں رچی بسی ہوئی ہیں اُن کا ذکر تو تحصیلِ حاصل ہے، اگرچہ حضرتِ علاّمہ کے یہ دو اشعار نقل کیے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا کہ ؎

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!
کس نداند لذّتِ قرضِ حسن

.com

از رباجاں تیرہ، دِل چوں خشت و سنگ — آدمی درندہ بے دندان و چنگ

تاہم 'زمین کے سُود' کا ذکر ضروری ہے۔ اس لیے کہ اُس کے ضمن میں مذہبی سطح پر تو مغالطے موجود ہیں ہی شیدائیانِ اقبال کا ذہن بھی صاف نہیں ہے۔ چنانچہ وہ ان اشعار کو تو لہک لہک کر پڑھتے[۱] ہیں کہ:

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف — منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا، فکر و عمل کا انقلاب — پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں
اور۔ وہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں تیری نہیں — تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں، میری نہیں
اور۔ رزق خود را از زمیں بردن رواست — ایں متاعِ بندہ و ملکِ خدا است!

لیکن غالباً انہوں نے قرآن کی اس تعلیم اور اقبال کی اس تبیین کو صرف اخلاقی وعظ کے خانے میں رکھا ہوا ہے، اور یہ نہیں جانتے کہ زمین کے سلسلے میں یہ اسلام کے قانونی و فقہی نظام کی اہم اساس ہے! چنانچہ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ اور امام دار الہجرت مالکؒ دونوں کا متفقہ فتویٰ ہے کہ مزارعت مطلقاً حرام ہے اور اقبال کا یہ فرمانا محض شاعری نہیں ہے کہ

خدا آں ملتے را سروری داد — کہ تقدیرش بدستِ خویش بنوشت
بہ آں قومے سروکارے ندارد — کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

چنانچہ سماجی، سیاسی اور معاشی جملہ سطحوں پر تمام ناانصافیوں اور ناہمواریوں کا خاتمہ کر کے دینِ حق کے کامل نظامِ عدل و قسط کو بالفعل نافذ و قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے خاتم النبیّین اور سیّد المرسلین، محمدٌ الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ـــــ (بفحوائے الفاظِ قرآنی "وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ" (الشوریٰ: ۱۵) اور "لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" (الحدید: ۲۵) اور ع "خدایا آں کرم بارِ دگر کُن"! کے مصداق

---

۱ ع "مرا یاراں غزلخوانے شمردند"

© rasailojaraid.com

اسی کا پیغام دیا تھا حکیم الامّت اور مصوّرِ پاکستان علاّمہ اقبال مرحوم نے کہ ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است!

چنانچہ اقبال سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ جہاں شعریت اور جذباتی سوز و ساز کے اعتبار سے کلامِ اقبال کے نقطۂ عروج کا مظہر اُن کی دوسری نظمیں (خصوصاً ذوق وشوق) ہیں وہاں اُمّتِ مسلمہ کے نام اُن کے پیغام کا مظہرِ اتم و اکمل ہے "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" اور خصوصاً اُس کے یہ آخری اشعار: ؎

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں!

الحذر! آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں!

چنانچہ اُس مردِ قلندر نے تو نہ صرف یہ کہ ع "جوہرِ دریائے قرآں سُفتہ ام" کے مصداق قرآنِ حکیم کے حقائق و معارف کی دل نشیں پیرائے اور شعری اسلوب میں تعبیر و تعلیم میں اپنی توانائیاں کھپا دیں بلکہ ساتھ ہی 'انقلاب' کا نعرہ بھی بلند کر دیا تھا ــــــ کہ

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب

انقلاب! انقلاب!! اے انقلاب!!!

یہ دوسری بات ہے کہ اُن کے نام لیواؤں اور شیدائیوں نے اُن کے ساتھ وہ معاملہ کیا کہ ؎

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
وز درونِ من نہ جُست اسرارِ من

مزید برآں ــــــ یہی تھی وہ حقیقت جسے تعبیر فرمایا تھا بابائے قوم اور بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح نے بھی ان الفاظ سے کہ "ہم پاکستان کی صورت میں ایک ایسے خطّہ ارضی کے خواہاں ہیں جس میں اسلام کے اصولِ حُرّیت و اخوّت و مساوات کا عہدِ حاضر میں

عملی اور مثالی نمونہ پیش کر سکیں "۔ اور کبھی یہ فرما کر کہ " اسلام ایک سوشل ڈیما کریسی ہے "!

(روایات بالمعنیٰ !)

لیکن افسوس کہ علامہ اقبال تو خالص 'مسنون عمر' میں پاکستان کے قیام سے لگ بھگ دس سال قبل ہی دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، قائدِ اعظم مرحوم بھی قیامِ پاکستان کے بعد کُل ایک سال زندہ رہے ——— اور ان کے بعد اُن کی عوامی تحریک کا ثمرہ اُچک لیا ، اوّلاً نوابوں اور نوابزادوں اور زمینداروں، جاگیرداروں اور وڈیروں نے، اور بعد ازاں اس میں مستقل حصّہ دار تو بن گئے کچھ نئے اور پُرانے سرمایہ دار اور باری باری حصّہ بٹاتے رہے اعلیٰ سِول اور فوجی عہدہ دار! جس کے نتیجے میں قانونِ قدرت کے عین مطابق عوامی سطح پر ایک شدید احساسِ محرومی پیدا ہوا جو اندر ہی اندر سلگنے والی آگ کے مانند بڑھتا چلا گیا ——— اور ——— اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ اسی احساسِ محرومی کی پُرزور ترجمانی کی تھی ، ذوالفقار علی بھٹو نے جس نے پاکستان کی سیاست کے اُس نئے اور زوردار عوامی دھارے کو جنم دیا تھا جس کی ایک طوفانی لہر پر سوار ہو کر وہ اب سے پندرہ سال قبل خود ایوانِ اقتدار تک پہنچے تھے!

واضح رہے کہ اس وقت مجھے نہ بھٹو صاحب کی ذات اور شخصیّت سے کوئی بحث ہے نہ اُن کی سیرت و کردار سے، اور نہ اُن کے خلوص یا عدمِ اخلاص کے بارے میں کوئی گفتگو کرنی ہے، نہ اُن کی اہلیت یا نااہلیت کے بارے میں کوئی فیصلہ دینا ہے بلکہ فی الوقت میری گفتگو صرف اور صرف پاکستان کی عوامی سیاست کے درمیانی دھارے کے اُس 'INNER CORE' کی تعیین و تشخیص سے متعلق ہے جس نے اِس میں وہ قوّت و مقاومت پیدا کر دی ہے کہ پاکستان کی تاریخ کے طویل ترین مارشل لا سے بھی اُس کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہیں آئی۔ چنانچہ مارشل لا کے ذرا پس منظر میں جاتے ہی اُس کی طوفانی لہر سامنے آ گئی ——— اگرچہ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ اس بار اس پر سواری بھٹو مرحوم کی صاحبزادی

© rasailojaraid.com

مِس بے نظیر کرتی ہیں یا اُن کے سابق رفیقِ کار مسٹر جتوئی، یا اُن کی ایک نظر بندی کے دَوران اُن کے خلا کو پُر کرنے والے ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان —— یا کوئی اور!!

بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ اس دھارے کے بہاؤ کو روکنا نہ کسی چوتھے مارشل لاء کے لیے ممکن ہے نہ پانچویں کے، اور اس کے آگے نہ علماء کرام کوئی بند باندھ سکتے ہیں نہ مشائخ عظام، نہ پشتینی رئیس اس کی راہ میں مزاحم ہو سکتے ہیں نہ نَو دولتیے سرمایہ دار، نہ سردار اور وڈیرے اِس کا راستہ روک سکتے ہیں نہ زمیندار و جاگیردار —— اور نہ کوئی میراس کے راستے میں حائل ہو سکتا ہے نہ کوئی پیر —— زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کیا جا سکتا ہے تو صرف یہ کہ اِس کے رُخ کو موڑنے کی کوشش کی جائے!

اِس لیے کہ مغرب کی اندھی تقلید میں ہمارا یہ 'ڈان' بھی خالص مادّیت ہی کے رُخ پر بہہ رہا ہے اور اس کے 'INNER CORE' کا سارا خارجی لبادہ یورپ سے مستعار لیا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کا کوئی براہِ راست سروکار نہ اللہ سے ہے نہ رسولؐ سے اور اس میں نہ ہدایتِ آسمانی سے کوئی اعتناء ہے نہ آخرت کی جوابدہی کا کوئی ذکر، لہٰذا عدلِ اجتماعی کے جملہ تصوّرات و معیارات بھی مغرب ہی سے ماخوذ ہیں اور اُن کے ضمن میں افراط و تفریط کی انتہاؤں کے مابین بھٹکنے کی کیفیّت بھی لامحالہ وہیں کا چربہ ہے —— مزید برآں اِن کے جلو میں بے پردگی بھی ہے اور عُریانی بھی، اباحیت (PERMISSIVENESS) بھی ہے اور آوارگی بھی، لاف زنی بھی ہے اور بڑکیں بھی، بھنگڑہ بھی ہے اور "ہے جمالو" بھی —— اور اِن سے بھی بڑھ کر عبادات سے بے اعتنائی ہی نہیں، اُن کا استہزاء و تمسخر ہے، شریعت سے بے پرواہی ہی نہیں اس کے خلاف نشوز اور بغاوت ہے اور شعائرِ اسلامی کا عدمِ احترام ہی نہیں اُن کی باضابطہ توہین و تذلیل ہے —— وقِس علیٰ ذٰلک!

فکرِ اقبال کی روشنی میں اس صورتِ حال کا علاج بھی اس کی کُلّی نفی

(TOTAL NEGATION) اور بحیثیت مجموعی ردّ کر دینے (TOTAL REJECTION)
میں نہیں بلکہ اس کے صحیح جزو کو قبول کرتے ہوئے غلط جزو کی اصلاح میں مضمر ہے!

بالکل ایسے جیسے حضرتِ علامہ نے موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو ایک ایسے نیام سے تشبیہہ دی ہے جس میں سے ایمان باللہ کی تلوار نکال لی گئی ہو ؂

علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی! ؏ عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے

گویا نیام تو اپنی جگہ درست اور کار آمد ہے، ضرورت صرف اس کی ہے کہ اس میں تلوار داخل کی جائے اسی طرح علمِ جدید میں فی نفسہٖ کوئی شے غلط نہیں ہے اور کائنات کے بارے میں معلومات کا جو عظیم خزانہ اس نے جمع کیا ہے وہ اپنی جگہ متاعِ بے بہا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ اس میں خالقِ کائنات کی معرفت و محبت کی چاشنی گھول دی جائے!

یہی وجہ ہے کہ حضرتِ علامہ نے اپنے اُس مشہور اور متنازعہ فارمولے میں کہ:

"MARXISM + GOD = ISLAM"

مغرب کے مادّی فکر کی منطقی انتہا یعنی جدلی مادّیت اور اس کے بھی نقطۂ عروج یعنی مارکسزم تک کو بالکلیہ ردّ نہیں کیا بلکہ صرف اس ضرورت کا احساس دلایا ہے کہ اس میں ایمان باللہ کا تریاق شامل کر دیا جائے تو اس کی سمّیت اور زہرناکی ختم ہو جائے گی اور یہ اسلام کے بہت قریب آ جائے گا!

بنابریں فکرِ اقبال کی روشنی میں اس وقت کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ پاکستان کی عوامی سیاست کے عظیم دھارے کے آگے بند باندھنے کی لاحاصل ہی نہیں حد درجہ مُضر اور خطرناک کوشش کی بجائے اس میں ایمان و یقین کی چاشنی اور حکمت و معرفت کی روشنی شامل کرنے کی کوشش کی جائے اور اس طرح فی الجملہ اس کے رُخ کو آسمانی ہدایت کی جانب موڑ دیا جائے!

اور یہ کام، ظاہر ہے کہ، ہرگز آسان نہیں بلکہ نہایت مشکل اور مشقّت طلب ہے، البتہ

© rasailojaraid.com

اس کے ضمن میں ایک بہت اہم اور مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں وہ لوگ جو اقبالؔ کے مدّاح و شیدائی اور اُن کے فکر و فلسفہ اور حکمت و بصیرت سے فیض حاصل کرنے والے اور خود کو اُن کی جانب منسوب کرنے والے ہیں۔ اس لیے کہ اقبالؔ کے متذکرہ بالا فارمولے کے مانند ایک بظاہر نہایت سادہ لیکن بباطن حد درجہ محکم فارمولا یہ بھی ہے کہ:

> 'پاکستان کی بقا اور استحکام صرف اور صرف اسلام سے وابستہ ہے اور احیاء اسلام کا واحد ذریعہ ہے تجدید ایمان اور ایمان کا واحد منبع اور سرچشمہ ہے قرآن حکیم اور دورِ حاضر میں احیاءِ قرآن کا ایک نہایت اہم اور مؤثر ذریعہ ہے فکر و کلامِ اقبال!'

اس لیے کہ جیسے کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے اور علیٰ وجہ البصیرت کہا ہے اور آج پھر کہہ رہا ہوں اور ڈنکے کی چوٹ کہہ رہا ہوں کہ عہدِ حاضر کے ذہنی و فکری ظروف و احوال میں قرآن حکیم کی عظمت کا جس قدر انکشاف اقبالؔ پر ہوا، اور کسی پر نہیں ہوا ـــــ اور موجودہ دور کی اعلیٰ ترین علمی و فکری سطح پر قرآن کے علم و حکمت اور ہدایت و معرفت کی تعبیر و تبیین اور تشریح و توضیح کی ہے صرف ـــــ اور صرف اقبالؔ نے!

لیکن اس کے لیے اقبالؔ کے مدّاحوں اور شیدائیوں کو ؏ "پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!" کے مصداق کردار اور عمل کے میدان میں اترنا ہوگا، اور حلقۂ اقبال کو محض ایک روایتی اور ثقافتی طائفے کی صورت اختیار کرنے بلکہ شدّتِ احساس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ مزارِ اقبال کے مجاوروں کی حیثیت اختیار کرنے کی بجائے خود اقبالؔ کی "خانقاہ" سے بھی باہر نکل کر "رسمِ شبیّری" ادا کرنی ہوگی! اور اس کے لیے اُنہیں اُس ہمّت و جرأت، محنت و مشقت، ایثار و قربانی اور بے نفسی و بے غرضی کے علاوہ، جو کسی بھی عظیم مقصد کے لیے لازمی ولابدی ہیں، حسبِ ذیل عملی اقدامات کرنے ہوں گے۔

۱۔ اوّلاً جس دین و شریعت کے نام لیوا اور علمبردار ہیں اس پر خود عمل پیرا ہونا، اور اگر

جان کی امان پاؤں تو عرض کروں گا کہ اقبال کے مدّاحوں اور شیدائیوں کے لیے سب سے مشکل اور کٹھن مرحلہ یہی ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے خود اقبال کی 'بے عملی' کو 'سند' کا درجہ دے دیا ہے۔ حالانکہ قطع نظر اس سے کہ خود حضرتِ علاّمہ نے اپنی بے عملی اور 'تن آسانی' کا ہمیشہ ایک کمی کی حیثیت سے برملا اعتراف کیا اور اُسے کبھی سند کی حیثیت سے پیش نہیں فرمایا، اُن کے فکر کے علوّ و عظمت کے پیشِ نظر اُن کی 'بے عملی' کی کوئی اہمیت نہیں رہتی بلکہ بلا مبالغہ مجھ ایسے لاکھوں انسانوں کا 'عمل' اُن کی 'بے عملی' پر نچھاور کیا جا سکتا ہے ——— لیکن دوسرا کون ہے جو اس کا مدّعی بن کر سامنے آسکے؟ مولانا مودودی مرحوم نے تو حضرتِ علاّمہ کو صُوفیا کے 'ملامتیہ' گروہ سے متعلق قرار دیا ہے جو اپنے 'عمل' کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپانے کے لیے 'بے عملی' کا مظاہرہ کرتے ہیں، میں یہاں تک بھی نہیں جاتا بلکہ اسے اُس قاعدہ کلّیہ کے ذیل میں شمار کرتا ہوں کہ نابغہ لوگوں کا عمل بالعموم اُن کے فکر کا ساتھ نہیں دے سکتا، تاہم اصل بات یہ ہے کہ حضرتِ علاّمہ ہمیں وہ فکر دے گئے جو اس دَور کے لاکھوں نہیں کروڑوں 'باعمل' لوگ بھی نہیں دے سکتے تھے لیکن اب اس فکر کو عملاً بروئے کار لانے کا اوّلین تقاضا ؏ "شرطِ اوّل قدم ایں است کہ مجنوں باشی!" کے مصداق اُس اسلام پر بالفعل عمل پیرا ہونا ہے جس کی تعبیر حضرت علاّمہ نے یوں فرمائی کہ ؏ "عاشقی؟ محکم شو از تقلیدِ یار!"

اس ضمن میں اس مغالطے پر مستزاد جس تضاد کا مظاہرہ علاّمہ مرحوم کے حلقہ بگوشوں میں نظر آتا ہے اُس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ بالفرض وہ داڑھی اس لیے نہیں رکھتے کہ علاّمہ نے نہیں رکھی تو اسی دلیل کے تحت اپنے گھروں میں پردہ کیوں رائج نہیں کرتے حالانکہ اس موضوع پر حضرت علاّمہ کے افکار و آرا بھی نہایت واضح اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں اور اُن کا عمل تو اُس سے بھی کہیں زیادہ روشن و تابناک ہے! اس ضمن میں اس وقت مزید کچھ عرض کرنے سے اس لیے گریز کرتا ہوں کہ اس دَور میں حضرتِ علاّمہ کے اس شعر کا مصداقِ کامل میں ہوں کہ:

؎ کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب　　پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند!

© rasailojaraid.com

تاہم یہ صرف ایک مثال ہے۔ ؎ "قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا"!

۲۔ ثانیاً اس عظیم مقصد کے لیے علماء کرام کا تعاون حاصل کیا جائے

اور اس ضمن میں حضرتِ علامہ کی اُن تنقیدوں اور لطیف اور مزاحیہ انداز کی اُن پھبتیوں کے ساتھ ساتھ جو انہوں نے روایتی مُلّا پر چُست کی ہیں اُن کے اس طرزِ عمل کو نگاہ میں رکھا جاتے کہ انہوں نے ہمیشہ علماءِ حق کا احترام کیا۔ یہاں تک کہ اپنے تمام تر مرتبۂ علمی و فکری کے باوجود بالغ نظر اور وسیع الذہن علماء سے خالص طالب علمانہ انداز میں کسبِ فیض میں کبھی اپنی توہین یا سبکی محسوس نہیں کی۔ چنانچہ علامہ سیّد سلیمان ندویؒ کے ساتھ اُن کی خط و کتابت اس پر شاہد عادل ہے۔

خصوصاً فقہ و قانونِ اسلامی کے ضمن میں اس دَور میں اجتہاد کے سب سے بڑے داعی اور علمبردار ہونے کے باوجود، انہوں نے خود اپنے آپ کو کبھی مجتہد مطلق نہیں سمجھا۔ بلکہ اس کے باوجود کہ عربی زبان پر انہیں عبور حاصل تھا، قرآن اُن کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوتے تھا اور خود وہ تمام عمر قرآن میں غوطہ زنی کرتے رہے تھے، حکمتِ دین اُن کے ذہن و فکر کی جزوِ لاینفک تھی اور تفقّہ فی الدّین اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا ——— قانونِ اسلامی کی تدوینِ نو کے ضمن میں انہیں کبھی یہ خیال تک نہیں آیا کہ وہ تن تنہا اس کے اہل ہیں، بلکہ کسے معلوم نہیں کہ وہ اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری ایّام تک بیہقیِ وقت مولانا سیّد محمّد انور شاہ کاشمیریؒ سے درخواست فرماتے رہے کہ وہ کسی طرح لاہور منتقل ہو جائیں تو دونوں مل کر وقت کی اس اہم ترین ضرورت سے عہدہ برآ ہونے کی کوششیں کریں۔

اِس ضمن میں قدیم اور جدید کے امتزاج کی جس قدر فکر اور خواہش حضرتِ علامہ کو تھی اُسی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کی تحریروں میں اس امتزاج کی جھلک دیکھ کر حضرت علامہ نے انہیں دکّن کی سنگلاخ زمین سے ہجرت کر کے پنجاب آنے کی دعوت دی اور اپنے ایک عقیدت مند چودھری نیاز علی مرحوم کے ذریعے پانچ دریاؤں کی سرزمین میں اُن کے "تمکّن" کی سبیل پیدا فرمائی ——— مجھے حضرت علامہ کے اِس اقدام

.com

کا پس منظر نظر آتا ہے اُن کے اس قطعے میں جو آج بھی اُن کے مرقد کی زینت بنا ہوا ہے کہ ؎

بیا تا کارِ ایں امّت بسازیم قمارِ زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجدِ شہر دلے در سینۂ مُلّا گدازیم

لیکن افسوس کہ مولانا مرحوم نے برِّصغیر کے مسلمانوں کی قومی جدّوجہد کے نقطۂ عروج کے آغاز پر تو یہ کہہ کر قومی سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی تھی کہ 'مَیں مسلمانوں کا نہیں صرف اسلام کا کام کرنا چاہتا ہوں' ــــ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد 'اسلام کے کام' کے لیے قومی ہی نہیں خالص سیاسی راستہ اختیار کر لیا۔ اس پر تو اس وقت مَیں صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ کاش کہ ایسا نہ ہوتا! اور مولانا مرحُوم قیامِ پاکستان کے بعد بھی اپنے سابق انقلابی طریق کار ہی پر عمل پیرا رہتے، تاہم فکرِ اقبالؔ کے شیدائیوں کی توجہ اس جانب مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس چیز کی اہمیت حضرت علاّمہ کو اس وقت محسوس ہوئی تھی وہ آج بھی نہایت اہم ہے! اور قدیم و جدید کے محکم امتزاج اور علماءِ حق کے تعاون و اشتراک کے بغیر پاکستان کی قومی سیاست کے دھارے کے رُخ کو اسلام کی جانب موڑنا ناممکن ہے۔

آخر میں حملہ شرکاءِ مجلس سے طویل سمع خراشی کے لیے معذرت خواہی کے ساتھ ساتھ کارکنانِ مرکزیہ مجلسِ اقبالؔ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے 'مجلسِ اقبال' میں شرکت کی دعوت دے کر میرا اعزاز و اکرام بھی فرمایا ــــ اور مجھے یہ موقع بھی عنایت فرمایا کہ اپنا دردِ دل ایسے منتخب روزگار حضرات کی محفل میں بیان کر سکوں اور 'اٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین' کے مطابق سب سے آخر میں شکریہ ادا کرتا ہوں اللہ کا کہ اُس نے مجھے بھی تین دن کی مختصر مدّت کے اندر اپنے خیالات کو قلمبند کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور میرے ساتھیوں کو بھی ہمّت دی کہ اسی قلیل عرصہ میں اس کی طباعت کا مرحلہ طے کر لیا۔ اگر ہم سے کوئی خیر بن آئے تو یہ سب اللہ ہی کی توفیق سے ہوتا ہے۔ اور خطا ہوتی ہے تو وہ ہمارے نفوس کی شرارت سے۔ اقول قولی ھٰذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات۔

© rasailojaraid.com